بلغار

وادیٔ والگا کی ایک قدیم مسلم مملکت

ثروت صولت

بلغار کی تاریخ اسلامی تاریخ کے ان گوشوں سے تعلق رکھتی ہے، جن سے متعلق ہماری معلومات بہت محدود ہیں۔ لیکن معلومات کی اس کمی کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دریائے والگا کی وادی میں واقع اس قدیم مملکت کو نہ صرف روس کی تاریخ میں بلکہ اسلامی تاریخ میں بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ بلغار جسے مغربی مورخین "بلغار عظمیٰ" لکھتے ہیں، قدیم روس کے ان چند شہروں میں سے تھا، جن کو ہم بجا طور پر سرزمینِ روس میں تہذیب کا گہوارہ کہہ سکتے ہیں۔ اسلامی تاریخ میں اس کی اہمیت یہ ہے کہ قفقاز کے شمال میں یہ پہلا مقام ہے جہاں ایک مسلم مملکت وجود میں آئی اور جہاں سے اسلام کی کرنیں باقی روس میں پھیلیں۔

وحشی ہنوں سے تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے۔ بلغار کے باشندے ان قبائل سے قریبی تعلق رکھتے تھے اور ہنوں کی یورپ پر یلغار کے ساتھ وسط ایشیا سے روس میں آگئے تھے۔ ہنوں نے یہ یلغار اپنے مشہور رہنما اٹیلا (۴۳۴ء تا ۴۵۳ء) کی قیادت میں کی تھی اور وہ تباہی مچاتے ہوئے مشرقی اور وسطی یورپ تک پہنچ گئے تھے۔ جب اٹیلا کا انتقال ہوگیا تو بیشتر ہن قبائل جنوبی روس اور شمالی قفقاز میں آکر آباد ہوگئے۔ ہن سلطنت تو اٹیلا کے بعد ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی لیکن ان کے ایک ہم نسل سردار خان کرت (۶۰۵ء تا ۶۶۵ء) نے مختلف قبائل کو متحد کرکے بحیرہ ازوف کے شمال مشرقی حصہ میں ایک قسم کے وفاق کی تشکیل کی جو بلغار کہلاتا تھا۔ یہ مملکت کئی نسلوں کے لوگوں پر مشتمل تھی لیکن ترک سب سے طاقتور جزو تھے۔ آلان اور سلافی قبائل بھی اس میں شامل تھے۔

خان کرت کے بعد مملکت بلغار کا اتحاد ختم ہوگیا اور یہ مملکت خان کرت کے پانچ بیٹوں میں تقسیم

ہو گئی ۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ دریائے والگا کی وادئ زیریں اور شمالی قفقاز میں وسط ایشیا سے آنے ہوئے ترکوں کی ایک نئی طاقت اُبھر رہی تھی جو تاریخ میں خزر (۶۵۰ء — ۹۶۵ء) کے نام سے مشہور ہے ۔ منتشر بلغار قبائل اس بڑھتی ہوئی طاقت کا مقابلہ نہ کر سکے ۔ مذکورہ بالا پانچ قبیلوں میں سے ایک نے خزر کی بالا دستی قبول کر لی اور اپنے وطن ہی میں مقیم رہا ۔ بلغار کی یہ مملکت سیاہ بلغاریہ کہلاتی ہے تین بلغار قبائل مغرب کی سمت چلے گئے ۔ ان میں سب سے بڑا گروہ خان اسپارخ (۶۷۹ء - ۶۹۱ء) کی قیادت میں دریائے ڈینیوب کی زیریں وادی میں آباد ہو گیا ۔ مملکتِ بلغاریہ کا موجودہ نام ان ہی بلغار قبائل کے نام پر بلغاریہ پڑا ۔ بلغار باشندوں کا پانچواں گروہ خان کرت کے لڑکے خان بزمیر کی قیادت میں شمال کی طرف چلا گیا اور دریائے والگا اور دریائے کاما کے سنگم کے پاس دریائے والگا کی وسطی وادی میں آباد ہو گیا ۔ ان کی مملکت والگا بلغاریہ کے نام سے مشہور ہوئی اور بلغار عظمیٰ کا شہر اسی مملکت میں تھا ۔ بلغار باشندوں کی یہی آخر الذکر دو مملکتیں ہیں جنہوں نے تاریخ میں اہم حصہ لیا ۔ ہمارا موضوعِ بحث اِن ہی میں سے ایک مملکت ہے یعنی والگا بلغاریہ ۔

بلغار میں اسلام کی اشاعت

۹۰۰ء سے قبل بلغار کے باشندے مشرک تھے اور وہ متعدد دیوی، دیوتاؤں اور خداؤں کے قائل تھے ۔ لیکن چند سال بعد ہی ہم دیکھتے ہیں کہ بلغار میں مسجدیں بن گئیں اور ان کا حکمران مسلمان ہو گیا ۔ بلغار کا حکمران کس طرح مسلمان ہوا اور بلغار قبائل میں کس نے اسلام پھیلایا ؟ اس کے متعلق تاریخیں خاموش ہیں ۔ بہر حال یہ ہم جانتے ہیں کہ اسلام اہلِ بلغار کے لئے کوئی نئی چیز نہیں تھا ۔ ان کے جنوب میں دریائے والگا کی زیریں وادی میں نویں صدی کے اواخر میں اسلام پہنچ چکا تھا اور سلطنت خزر کے دار الحکومت آتل میں جو موجودہ شہر استراخان کے شمال میں دریائے والگا کے کنارے آباد تھا بیس ہزار مسلمان اور تیس مسجدیں موجود تھیں ۔ یہ مسلمان بالعموم تجارت پیشہ تھے اور اپنے کاروبار کے سلسلے میں ایک طرف خوارزم اور دوسری طرف بلغار تک جاتے تھے ۔ ماوراء النہر اور خوارزم میں اس وقت تک پوری طرح اسلام پھیل چکا تھا اور سامانیوں (۸۷۴ء تا ۱۰۰۰ء) کی مضبوط حکومت کے تحت وسط ایشیا میں امن و امان قائم تھا ۔ ممکن ہے کہ آتل کے علاوہ خوارزم اور وسط ایشیا کے باشندے بھی بلغار میں اسلام کی اشاعت کا باعث ہوئے ہوں ۔

روایت ہے کہ بلغار کا حکمراں الماس خاں بن سلکی خاں نے ایک خواب دیکھا تھا جس سے اس کو اسلام کی طرف رغبت ہوئی۔ اسلام لانے کے بعد اس کے بیٹے نے حج کیا اور بغداد آیا۔ یہ زمانہ مقتدر باللہ (۹۰۸ء تا ۹۳۲ء) کی خلافت کا تھا۔ الماس خاں نے غائبانہ اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور دربارِ خلافت میں ۹۲۲ء میں ایک سفیر بھی بھیجا۔ اس سفارت کا مقصد اشاعتِ اسلام کے لئے خلیفہ سے امداد طلب کرنا تھا اور احکامِ اسلام کی تعلیم کے لئے فقہاء اور علماء کو بلغار بھیجنے کی درخواست کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ مسجد اور قلعہ کی تعمیر کے لئے مہندس اور ریاضی داں بھی درکار تھے۔ مقتدر باللہ نے اس درخواست پر جو وفد بلغار بھیجا اس میں احمد بن فضلان، سوسن الراسی اور بدر خرمی کے نام نمایاں ہیں۔ احمد بن فضلان کو بلغار کے حالات اور سفر کے واقعات قلم بند کرنے کی ہدایت بھی کی گئی۔ احمد بن فضلان نے

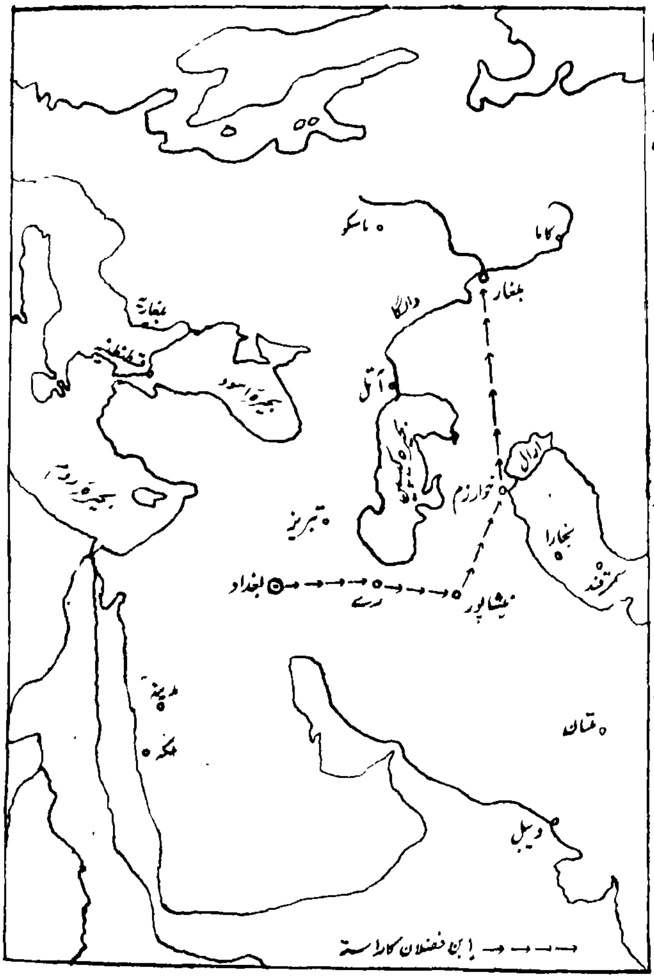

اپنے سفر کی جو رپورٹ تیار کی وہ اگرچہ اب ناپید ہے لیکن یاقوت حموی نے اپنی کتاب معجم البلدان میں اس کا خلاصہ درج کر دیا ہے جو آج ہمارے پاس بلغار سے متعلق قدیم ترین اور مستند ترین ماخذ ہے۔ وفد خلافت نے بلغار جانے کے لئے قفقاز کا راستہ اختیار نہیں کیا بلکہ خوارزم کے راستے بلغار روانہ ہوا جو اس زمانے میں جرجانیہ کہلاتا تھا۔ یہ وفد خوارزم سے ستر دن میں بلغار پہنچا۔ اب آپ خود ابن فضلان

کی زبانی اس سفر کا حال ملاحظہ کیجئے۔ وہ لکھتا ہے کہ :۔

"جب صقالبہ (بلغار) کے پائے تخت سے ایک دن کا فاصلہ رہ گیا تو اس نے چار بادشاہوں کو جو اس کی زیرِ حکومت ہیں اور اپنے بھائی اور بیٹوں کو ہمارے استقبال کے لئے بھیجا۔ جب دو فرسنگ کا فاصلہ رہ گیا تو وہ خود استقبال کو آیا، جب اس نے ہم کو دیکھا تو سواری سے اُتر پڑا اور زمین پر سجدہ کیا اور ہمارے اوپر روپے برسائے اور خیمے نصب کرائے جن میں ہم کو اتارا۔ ہمارے پہنچنے کی تاریخ ۱۲ محرم ۳۱۰ھ تھی۔ ہم بدھ کے دن یہاں مقیم رہے۔ اس اثناء میں وہاں کے تمام رؤسا اور مقربینِ درگاہ ہر طرف سے آکر جمع ہوئے۔ جمعرات کے دن ہم نے امیرالمومنین کے دونوں فرمان نکال کر پیش کئے۔ بادشاہ کو دولتِ عباسیہ کا سیاہ لباس پہنایا اور پگڑی باندھی پھر فرمان پڑھا۔ فرمان کے پڑھے جانے تک بادشاہ تعظیماً کھڑا رہا۔ پھر وزیر اعظم کا فرمان پڑھا۔ بادشاہ اگرچہ فربہ اندام تھا لیکن برابر کھڑا رہا۔ پھر دربارِ خلافت سے جو ھدیئے لائے تھے اس کو دیئے گئے۔ اس کی خاتون بھی اس کے برابر بیٹھی تھی۔ اس کو بھی خلعت دیا۔ ترکوں میں پردے کی رسم نہیں ہے۔ پھر ہم اس کے خیمے میں گئے۔ وہ تخت پر بیٹھا۔ دوسرے بادشاہ دائیں جانب اور ہم بائیں جانب بیٹھے۔ پھر کھانا آیا۔ باری باری مختلف کھانے آتے تھے اور ہر شخص کے سامنے الگ الگ سینیاں رکھی جاتی تھیں۔ بادشاہ چھری سے کاٹ کر کھاتا تھا۔ سینی میں جو کھانا بچ جاتا تھا وہ کھانے والوں کی قیام گاہ پر پہنچا دیا جاتا تھا۔ کھانے کے بعد شہد کی شراب آئی جس کو ترکی میں سَجو کہتے ہیں۔

...... بادشاہ کی سواری جدھر سے نکلتی ہے لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں اور ٹوپیاں اُتار کر بغل میں دبا لیتے ہیں۔ پھر بادشاہ کی طرف اشارہ کر کے سر کو جھکا دیتے ہیں۔ بادشاہ کے سامنے جب بیٹھتے ہیں تو ہمیشہ ٹوپی اُتار کر بیٹھتے ہیں۔ مرد اور عورتیں کھلے مقامات پر ایک ساتھ ننگے نہاتے ہیں لیکن بدکاری کا مطلق وجود نہیں۔ کوئی شخص بدکاری کا مرتکب ہو تو ایک طرف کا جسم گردن سے ران تک کاٹ کر درخت پر لٹکا دیتے ہیں۔"

وفد خلافت کے آنے کے بعد بلغاریہ کی سیاسی اور تمدنی زندگی میں کئی تبدیلیاں ہوئیں۔ اب تک بلغار کا حکمران یلطاور کہلاتا تھا لیکن قبولِ اسلام کے بعد امیر کہلانے لگا اور الماس بن سلکی کا نام جعفر بن عبداللہ ہو گیا۔ مملکت بلغار کے سیاسی ڈھانچے کے متعلق ہماری معلومات بہت ہی ناقص ہیں۔ بلغار کی مملکت

مختلف قبائل پر مشتمل تھی۔ ان کے نام البرنجار۔ سوار۔ بلکار۔ اشکیل اور برسولا تھے۔ ابن فضلان جب بلغار پہنچا تو آخرالذکر قبیلہ مسلمان ہو چکا تھا اور وہ لکڑی کی ایک مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ غالباً یہ قبائل نیم خود مختار زندگی گذارتے تھے اور ایک وفاق کی شکل میں متحد تھے جس کا سربراہ امیر تھا۔

شروع میں بلغار کی مملکت خزر کی باجگذار تھی لیکن خلافتِ بغداد سے تعلقات کے بعد خزر کا اثر کم ہونا شروع ہو گیا اور ۹۶۵ء میں خزر کے خاتمہ کے بعد وہ قطعی خود مختار ہو گئی۔ مملکتِ بلغار اس تمام علاقے پر مشتمل تھی جو اب روس کے صوبوں سمارا، سمبرسک اور سارا توف میں شامل ہے۔ صوبہ استراخان کا شمالی حصہ بھی مملکتِ بلغار میں شامل تھا اور بشکیریا کا علاقہ بھی اس کے زیرِ اثر تھا۔ روسیوں سے اہلِ بلغار کی لڑائیاں مسلسل رہتی تھیں۔

۳۷۲ھ/۹۸۲ء کی ایک تصنیف "حدود العالم" کے مطابق اہلِ بلغار جہاد کے بہت شوقین تھے اور ان کی فوج بیس ہزار سواروں پر مشتمل تھی۔ روسیوں سے جنگ میں ۱۰۸۸ء میں انھوں نے شہر موروم (MUROM) پر قبضہ کر لیا تھا اور ۱۱۰۷ء میں سوزدال (SUZDAL) پر اور ۱۲۱۸ء میں اسلنگ (USLYNG) پر حملہ آور ہوئے تھے۔ بارھویں صدی میں روسیوں نے بھی کئی بار بلغار کے دارالحکومت کا محاصرہ کیا تھا۔

اہلِ بلغار کا ایک بڑا کارنامہ روس میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت ہے۔ ان کی کوششوں سے کئی ترک قبائل جو روس میں آباد ہو گئے تھے خصوصاً پشی نیگ (PECHENEG) اور کومان (KUMAN) اسلام لائے۔ روس کے حکمران ولادمیر نے ۹۸۶ء میں مختلف مذاہب کے علمار کو اپنے دارالحکومت کیو میں مدعو کیا تھا تاکہ وہ ان سے گفت گو کے بعد کوئی ایک مذہب قبول کر سکے۔ اس اجتماع میں مسلمان علمار کا وفد بلغار ہی سے بھیجا گیا تھا۔ لیکن ولادمیر نے شراب کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے اسلام کو پسند نہیں کیا اور عیسائی ہو گیا۔ ولادمیر اس مذہبی اجتماع سے ایک یا دو سال قبل بلغار پر ایک ناکام حملہ بھی کر چکا تھا۔ لیکن ۹۸۵ء میں دونوں حکومتوں میں صلح ہو گئی۔ اس صلح نامے کے یہ الفاظ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:-

"ہمارے درمیان اس وقت تک صلح قائم رہے کہ پتھر تیرنے لگیں اور تنکے غرق ہونے لگیں۔"

بلغار قبائل اسلام لانے سے قبل خانہ بدوشی کی زندگی گذارتے تھے اور گلہ بانی ان کا خاص پیشہ تھا۔ نہ تو ان کے یہاں مستقل شہر تھے اور نہ پختہ مکانات۔ حکمران تک خیمے میں رہا کرتا تھا۔ سمور، چمڑا، اُون اور موم جو اس برفانی علاقے کی خاص پیداوار تھیں اہلِ بلغار کی اشیائے تجارت تھیں۔ بغداد سے تعلقات قائم ہونے کے بعد بلغار کی تمدنی زندگی میں نمایاں تبدیلیاں ہونے لگیں۔ عرب معماروں کی مدد سے پتھر کے مکانات اور قلعے تعمیر ہونا شروع ہو گئے اور جلد ہی شہروں کی بنیادیں پڑنا شروع ہو گئیں۔ سوار، بلیار اور بلغار عظمیٰ کے عظیم شہر وجود میں آ گئے۔ چنانچہ مشہور جغرافیہ داں اصطخری نے پہلی مرتبہ بلغار اور سوار کے شہروں کا ذکر کیا ہے جہاں عمارتیں اور مکانات لکڑی کے تھے۔ اصطخری نے بلغار کی آبادی دس ہزار بتائی ہے اور ''حدود العالم'' میں سوار کی آبادی بیس ہزار بتائی گئی ہے۔ لیکن یہ اعداد و شمار ابتدائی دور کے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں یعنی گیارہویں اور بارہویں صدی میں ان شہروں میں بہت توسیع ہو گئی تھی۔ حال ہی میں ان شہروں کے آثار کی جو کھدائی ہوئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ بلغار کے شہر بہت وسیع اور متمدن تھے۔ بلغار عظمیٰ جو کازان کے قریب واقع تھا اس کی فصیل چھ میل کی تھی۔ محققین کا اندازہ ہے کہ شہر کی آبادی پچاس ہزار سے کم نہیں تھی۔ فصیل کے باہر مضافاتی بستیوں کی آبادی اس کے علاوہ تھی۔ کھدائی میں جو آثار نکلے ہیں وہ محلوں، مسجدوں اور حماموں پر مشتمل ہیں۔ یہ آثار دوالگا سے چھ کلومیٹر دور بلغار سکوئی (BULGARSKOI) گاؤں کے پاس واقع ہیں۔ بلیار (BILYAR) اور سوار (SUWAR) کے آثار اس سے بھی زیادہ وسیع ہیں۔ بلغار میں پہلے سمور کو سکے کی حیثیت حاصل تھی۔ لیکن ۳۳۷ھ مطابق ۴۹-۹۴۸ء سے سکوں کا رواج ہو گیا۔ اس سال بلغار کے اوّلین سکے سووار کی ٹکسال میں ڈھالے گئے۔

بلغار کے شہر چونکہ مشرق وسطیٰ، وسط ایشیا اور شمالی اور مشرقی یورپ کے تاجروں کا نقطۂ اتصال تھے، اس لئے تجارت کو بلغار کی معاشی زندگی میں نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ سمور، مویشی، گھوڑے، بکری کی کھال، موم، شکرے اور غلام مشرقی یورپ اور روس سے آتے تھے اور وسط ایشیا اور مشرق وسطیٰ بھیج دیئے جاتے تھے۔ اسلامی ملکوں سے کپڑا، اسلحہ، مٹی کے ظروف اور سامانِ تعیش درآمد ہوتا تھا اور روس اور مشرقی یورپ کو بھی روانہ کیا جاتا تھا۔ خود بلغار میں بھی تانبے کے برتن، مٹی کے ظروف اور زیورات بننا شروع ہو گئے تھے اور بعد کے دَور میں بلغار کے چمڑے اور جوتوں نے دُور دُور شہرت حاصل کر لی تھی۔

اسلامی دَور میں اہلِ بلغار نے خانہ بدوشی بڑی حد تک ترک کر دی تھی۔ شہروں کی تعمیر کے ساتھ ساتھ زراعت اب مستقل شکل اختیار کر گئی تھی۔ گیہوں، باجرہ اور جَو خاص زرعی پیداوار تھیں اور گیہوں اتنا پیدا ہونے لگا تھا کہ بعض اوقات برآمد بھی کر دیا جاتا تھا۔

بلغار کی یہ اسلامی مملکت ابھی روس میں تہذیب کی بنیادیں استوار کر ہی رہی تھی کہ مشرق سے وحشی منگولوں کا ایک ریلا آیا جس نے ۱۲۳۶ء یا ۱۲۳۷ء میں باقی اسلامی دنیا کی طرح اس نوزائیدہ مملکت کی بھی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ بلغار عظمیٰ کے شہر نے کسی نہ کسی طرح اپنا وجود پھر بھی قائم رکھا۔ لیکن ۱۳۹۹ء میں روسیوں نے اسے قطعی برباد کر دیا۔ بلغار کی مملکت اگرچہ برباد ہو گئی لیکن تاریخ میں اس نے اتنے گہرے نقش چھوڑے کہ بیسویں صدی کے آغاز میں کازان اور اس کے گرد و نواح کے مسلمانوں کا ایک مطالبہ یہ بھی بن گیا تھا کہ ان کے علاقے کا نام بلغار رکھا جائے لیکن اشتراکی دورِ حکومت میں اس مطالبہ کا بھی وہی حشر ہوا جو مسلمانوں کے دوسرے مطالبوں کا ہوا۔

بلغار کی تاریخ سے متعلق ہماری معلومات بہت محدود ہیں۔ ابن فضلان کے علاوہ اصطخری، مسعودی، گردیزی اور بعض اندلسی سیاحوں سے ہمیں کچھ متفرق معلومات حاصل ہو جاتی ہیں جو کسی طرح کافی نہیں۔ بارہویں صدی میں بلغار کے ایک قاضی نے عربی میں بلغار کی تاریخ لکھی تھی جو اب ناپید ہے۔ ابنِ بطوطہ اپنے سفرِ روس کے سلسلے میں ۱۳۳۵ء کے قریب بلغار بھی آیا تھا اور یہاں تین دن قیام کیا تھا لیکن اس نے یہاں کے انتہائی چھوٹے دن اور انتہائی چھوٹی راتوں کے علاوہ کوئی نئی معلومات فراہم نہیں کی۔

مولانا شبلی نے اپنے ایک مقالے میں "تلفیق الاخبار" نامی ایک مطبوعہ کتاب کا تذکرہ کیا ہے جو عربی میں ہے اور بلغار (کازان) کے ایک مصنف کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ روس کے ترک اور تاتار باشندوں کی مفصل تاریخ ہے اور بقول شبلی ترک و تاتار کی کوئی تاریخ آج تک اتنی مفصل اور محققانہ نہیں لکھی گئی۔ کتاب ندوۃ العلماء یا دار المصنفین کے کتب خانہ میں موجود تھی اور یقیناً اب بھی وہیں ہوگی۔ تعجب ہے کہ دار المصنفین والوں نے اس اہم کتاب کا اب تک ترجمہ کیوں نہیں کیا۔ اگر اس کتاب کا اُردو میں ترجمہ ہو جائے تو تاریخِ اسلام کے ایک کم معروف دَور سے متعلق ہماری معلومات میں بڑا مفید اور قیمتی اضافہ ہو جائے گا۔